

رسائل و مسائل

جوازِ سود کے حق میں ایک ایسے غلط استدلال

سوال پراویڈنٹ فنڈ جو گورنمنٹ کاٹتی ہے اس پر فنڈ جمع کرانے والے کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے سود لے، چاہے نہ لے۔ اسی طرح سیونگ ٹریفیکٹ کا معاملہ ہے۔ مجھے ایک عالم نے فرمایا ہے کہ حکومت اپنی جانب سے کچھ دینا چاہے، خواہ وہ سود کے نام سے ہو یا نہ ہو، اور اس کی مقدار مقرر ہو یا نہ ہو، اس کا لے لینا جائز ہے اور وہ سود نہیں ہے۔ انہوں نے ایک حدیث بیان فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوے کے وقت ایک اونٹ کے بدلے دو اونٹ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس سے یہ اجتناب کیا جاسکتا ہے کہ گورنمنٹ اگر چاہے تو بوقت ضرورت اپنی طرف سے کچھ زائد رقم لوٹانے کے وعدے پر لوگوں سے روپیہ لے سکتی ہے۔ اس طرح جو زائد روپیہ دیا جاتا ہے، وہ جائز ہے۔ حوالہ طلب کرنے پر انہوں نے بلوغ المرام، کتاب البیوع، باب اگر بڑی ایک حدیث کی نشان دہی کی ہے جو درج ذیل ہے :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص بیان کرتے ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان یجھز جیشا فنقدت الابل فامرہ ان یأخذ علی قلائع والصدقة قال فکنت اأخذ البعید بالبعیوب ررواہ الحاکم والبیہقی ورجالہ ثقات۔
براہ کرم آپ اس حدیث پر، نیز اس سے عالم موصوف کے استنباط پر روشنی ڈالیں اور بتائیں کہ بیان کردہ مشکہ درست ہے یا نہیں۔

جواب آپ کی نقل کردہ حدیث سے اگر کسی عالم صاحب نے وہی استدلال فرمایا ہے جو آپ کے سوال میں مذکور ہے تو اس سے اتفاق ممکن نہیں ہے۔ یہ استدلال چند در چند خامیوں اور غلط فہمیوں پر مشتمل ہے۔ حدیث کا اگر محتاط لفظی ترجمہ کیا جائے تو یوں ہوگا، حضرت عمرؓ بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لڑائی کا ساز و سامان تیار کرنے کا حکم دیا پھر اونٹ ختم ہو گئے تو آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ زکوٰۃ کی اونٹنیوں کے عوض میں اونٹ حاصل کیے جائیں پس میں دو اونٹوں کے بدلے میں ایک اونٹ لیتا تھا، تا آنکہ زکوٰۃ کے اونٹ آجائیں،

امرا اول جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرتؐ نے خود یہ شرط مقرر یا تسلیم فرمائی تھی کہ ایک اونٹ کے عوض میں دو ملیں گے۔ یہ حضرت عمرؓ کا اپنا قول ہے جس کے بارے میں صراحت موجود نہیں کہ آنحضرتؐ کو اس کا علم تھا یا نہیں، اور آپؐ نے اسے برقرار رکھا یا نہیں، بلکہ خود حضرت عمرؓ کے بارے میں بھی یہ واضح نہیں کہ انہوں نے زکوٰۃ کے اونٹ فراہم ہو جانے کے بعد ایک اونٹ کے عوض میں دو اونٹ دیئے یا نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ روایت کے الفاظ صاف طور پر یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بیع کا معاہدہ تھا یا قرض کا، چنانچہ شارحین میں بعض نے اسے بیع کے مفہوم میں لیا ہے اور بعض نے قرض کے مفہوم میں، یعنی بعض کے نزدیک جانور خرید لیے گئے تھے اور ان کی قیمت کے عوض میں دوسرے جانور دیئے جانے تھے اور بعض کے نزدیک جانور قرض لیے گئے تھے۔

بلاشبہ صاحب بلوغ المرام نے اس حدیث کو بہیقی اور حاکم کے حوالے سے نقل کر کے فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن امام بہیقی و حاکم کی ہر روایت اس پائے کی نہیں ہے کہ مجرد ایک محفل توثیق کے بل پر اسے بلا تردد قبول کر لیا جائے، بالخصوص جبکہ اس کے متن میں ابہام و اشکال ہو اور اس کا مضمون احادیث صحیحہ و کثیرہ سے متعارض ہو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فراب صدیقی حسن خاں مرحوم نے اپنی شرح مسک الختام میں اس روایت کے صنعت پر دلالت کرنے والے اقوال بھی نقل کیے ہیں اور اپنی رائے ان الفاظ میں دی ہے: گویم وجہ صنعت حدیث ابن عمرؓ و انسؓ کہ در سندش

محمد ابن اسحاق است و دروے مقال است دین کہتا ہوں کہ اس حدیث کے کمزور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ایک راوی محمد ابن اسحاق ہے، جس میں کلام کیا گیا ہے۔

پھر اس حدیث کے الفاظ سے یا اس کے شارحین کے اقوال سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں کس غزوے کا ذکر کیا گیا ہے۔ سو داور اس کے متعلقات کے متعلق قطعی اور تفصیلی احکام عہد نبوی کے اواخر میں دیئے گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہو۔ اگر ایسا ہو تو ظاہر ہے کہ معاملے کی یہ صورت منسوخ قرار پائے گی۔

اس بارے میں آخری مگر خاص طور پر لائق توجہ بات یہ ہے کہ یہ حدیث حیوانات کے مباد اور لین دین سے متعلق ہے، جن کا معاملہ نقد و اجناس سے بالکل الگ اور مختلف ہے۔ حیوانات کی چونکہ کوئی متعین بازاری قیمت یا شرح نہیں ہے، انہیں ناپا اور تولانا نہیں جاسکتا اور اپنی عمر، نسل، صلاحیت اور افادیت کے اعتبار سے ایک ہی نوع کے ایک جانور اور دوسرے جانور میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے، اس لیے خاص حیوانات کے معاملے میں شریعت کے احکام زیادہ سخت اور قطعی نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں فقہاء و محدثین کی آراء بھی مختلف ہیں کہ جب حیوانات کا دست بدست یا ادھار پر تبادلہ کیا جائے، یا جانور قرض دے کر جانور ہی قرض میں واپس لیا جائے تو آیا اس صورت میں تفاضل (یعنی کمی بیشی) جائز ہے یا نہیں؟ بعض کے نزدیک جانوروں کی تعداد اور عمر وغیرہ میں تفاضل کے باوجود اگر معاملہ بیع کا ہو اور دست بدست ہو تو جائز ہے، لیکن جانوروں کے بدلے میں جانوروں کا قرض پر لین دین جائز نہیں۔ اس مسلک کے حق میں ایک حدیث بورع المرام کے اسی باب میں موجود ہے کہ: عن سمرة بن جندب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع الحيوان بالحيوان فسيئة۔ حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ جانور کے بدلے جانور ادھار بیچا جائے۔ اس مسلک کے قائلین کے نزدیک حضرت عمرو بن عاص والی روایت قابل حجت و استناد نہیں ہو سکتی کیونکہ جانور بیچ کر اگر اس کے بدلے میں جانور کا ادھار کرنا ممنوع ہے تو جانور قرض دے کر بعد میں جانور وصول کرنا کیسے جائز ہوگا؟ بعض فقہاء ایسے بھی ہیں

جو جانوروں کے مبادلے کو مہرے سے صحیح ہی نہیں سمجھتے خواہ بیع کا معاملہ ہو یا قرض کا، اور بیع کی صورت میں ٹمن ہاتھوں ہاتھ ملے یا ادھار رہے۔

لیکن آپ کو بھی اور جن عالم صاحب نے پراویڈنٹ فنڈ، میونگ سٹریٹیکٹ دیا دیگر قوم قرض، پرنسٹون کو محض اس ایک ضعیف و مرجوح روایت کے بل پر حلال کرنے کی سعی فرمائی ہے، انہیں بھی یہ بات پھر ایک مرتبہ اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ تفاضل کے جواز و عدم جواز کے جس اختلاف کا ذکر ابھی اوپر ہوا ہے، یہ نقدی یا سونے چاندی سے بہر حال متعلق نہیں ہے اس کا تعلق محض حیوانات یا کچھ دوسری اشیاء سے ہے۔ چودہ سو سال میں علمائے امت کا سلف سے غفلت تک کامل اتفاق ہے کہ درہم و دینار اور روپے پیسے کے نقد یا قرض لین دین میں اضافہ و تفاضل کی پیشگی شرط قطعی سود ہے اور حرام ہے۔ اس متفق علیہ مسلک کی بنیاد کتاب و سنت کے نہایت صریح اور محکم نصوص پر قائم ہے۔ کوئی شخص کمزور ہتھیاروں کے ساتھ اس بنیاد کو ہرگز منہدم یا متزلزل نہیں کر سکتا۔

(خ - ع)

افتراق امت اور فرقہ ناجیہ

سوال۔ میں اس حدیث کے سلسلے میں رہنمائی کا طالب ہوں جو بہتر فرقوں سے متعلق ہے اور جس میں مذکور ہے کہ ایک فرقہ ناجی اور باقی دوزخی ہوں گے۔ کیا یہ حدیث صحیح و قوی ہے یا ضعیف و موضوع ہے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے اور کیا اس کے ماسواہ سارے فرتے کچھ نہ کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں ڈالے جائیں گے؟ بظاہر یہ بات بڑی پریشان کن اور خوفناک ہے کہ اس امت کی اکثریت آگ کے عذاب سے محفوظ نہ رہے اور دوزخ کی مستحق قرار پائے۔

جواب۔ افتراق امت سے متعلق جس حدیث کے بارے میں آپ نے دریافت کیا ہے